السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

مسجد یا مدرسہ میں ایک میاں یا ملاں رکھ کر گاؤں کے بچوں کو تعلیم دلائی جائے اوران میں صاحبان ذکواہ کے بچے بھی تعلیم پاویں تو کیا یہ جائز ہوگا۔ یا نہیں درانحالیکہ ذکواۃ دینے والے میاں یا ملاں کی تنخواہ اپنے عشر وزکواۃ کی رقم سے دیتے ہیں۔

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علىٰ رسول اللہ، أما بعد!

اصحاب اموال کا اپنے بچوں کو ایسے لوگوں سے تعلیم دلانا جن کو وہ تنخواہ انے اموال کی ذکواۃ وعشر سے دیتے ہوں۔ درست نہیں۔

ایسے علمائے دین جو اس آیت کے مصداق ہوں۔

یعنی دین کی خدمت اور تعلیم کے لئے وقف ہوگئے ہوں۔ اور فقر معیشت کے لئے وقت نہ نکال سکتے ہوں۔ مساکین میں داخل ہیں۔ بشرط یہ کہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول زر کا پیشہ نہ بنا لیا ہو۔ ضرورت اور حاجت سے زیادہ نہ لیتے ہوں۔ اور کسی حالت میں بھی ساعی وسائل نہ بنتے ہوں۔ ایسے علماء ودعاہ مدزکواۃ کے بلاشبہ مستحق ہیں۔ اسی طرح غریب طلبہ علوم دینیہ بھی آیت مذکورہ کی رو سے فقراء مساکین میں داخل ہیں۔ اورضروری ہے کہ اس مدسے ان کی خبر گیری کی جائے۔ رہ گئے علماء اغنیاء جو سونے یا چاندی کے نصاب کے مالک ہیں۔ یا خوشحال وزمین دارہیں۔ یا کرایہ کی جائدادوں کے مالک ہیں۔ اور قرآن علوم دینیہ کی ترویج اوردعوت وارشادہدایت وتبلیغ یا درس وتدریس میں مصروف ومشغول رہتے ہیں۔ ان کو ذکواۃ دینی اور خود ان کو ذکواۃ لینی جائز ہے۔ یا نہیں؟ اسی طرح مدارس کا اجراء وقیام اور مدرسین وملازمین کی تنخواہ اس مدسے دینی جائز ہے یا نہیں؟ سو اس میں اختلاف ہے۔ بعض علمائے اہل حدیث اسے جائز ودرست کہتے ہیں ان میں سے بعض نے ان علماء ومدرسین کو ''سبیل للہ'' میں داخل سمجھا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ سبیل اللہ کے زریعے ایک جامع دعاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ جس میں دین وامت کے مصالح کی ساری باتیں آگئیں۔ مثلاً قرآن اور علوم شرعیہ کی ترویج اشاعت مدارس کا اجرائ وقیام دواہ ومبلغین کا قیام ارسال ہدایت وارشاد امت کے تمام مفید مسائل۔

" اکثر علماء کے خیال میں سبیل اللہ سے مراد صرف مجاہدین وغزاۃ ہیں "کما قال الشمس الائمہ ابن قدامہ فی الشرح الکبیر علی متن المقنع لاخلاف فی انھم الغزاۃ الان سبیل اللہ عندہ الاطلاق ھو الغزرا انتھی

اور بعض علمائے اہل حدیث نے ایسے اصحاب نصاب کو 'عاملین'' میں داخل سمجھا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ عاملین ذکواۃ کا مصرف ٹھرانے کی علت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ان عاملین نے ایک کام کو جو مصالح مسلمین سے ہے انجام دیا ہے۔ اسلامی حکومت کو اور عاملین کو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر زکواۃ کا مصرف نہیں ٹھرایا ہے۔ لیکن یہ روایات حدیثیہ سے ثابت ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں جو اشخاص اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے تھے۔ ان کو بھی رسول اللہ ﷺ ان کے کاموں کی اجرت عنایت فرماتے تھے۔ ابوداؤد میں بریدہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

من الستعملنا علی عمل فرزقنا رزقا فما اخذ بعد ذلک فھو غلول قال الشوکانی فیہ دلیل علی انہ لایحل للعامل زیادو علی ما فرض لہ من استعملہ وان ما اخذہ بعد ذلک فھو من الغلول وذلک بناء علی انہ الجارۃ ولمنھا فاسدۃ یلزم فیھا اجرۃ المثل الی اخرما" (قال (نیل لاوطار

پس حکومت اسلامی کے دیگر عاملین مثل قضاۃ وغیرہ بوجہ اشتراک فی العلۃ حکم سعاۃ میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ عہد خلافت راشدہ میں بھی دیگر عاملین کی اجرت بلکہ خود حاکم کی اجرت مال مسلمین سے دیا جانا ثابت ہے۔ اور انہی وجوہ سے خلف وسلف کی ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے۔ پس ایسا مدرسہ جو مصالح مسلمین پر مشتمل ہے۔ اس کے مدرسین کو مدذکواۃ سے تنخواہ دینی کیوں درست نہیں۔ ساتھ ہی اس کے زمانے میں مدارس دینیہ کے قیام وبقا کی جو ضرورت ہے۔ وہ مخفی نہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ تاوقت یہ کہ مدارس کی امداد مدزکواۃ سے نہ ہوگی۔ کوئی مدرسہ چل نہیں سکتا۔ پس جب سائلین صدقات کے ساتھ دوسرے عاملین ملحق ہیں۔ اور عاملین صدقات کے لئے بحالت ان کے غنی ہونے کے بھی زکواۃ سے اجرت لینی درست ہے تو مدزکواۃ سے مدرسین کو تنخواہ معین وغیر معین دونوں طرح لینا ان کے غنی ہونے کی صورت میں بھی جائز اور درست ہوگا۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تنخواہ کے واقعے سے ثابت ہے۔

اخرج ابن سعد عن میمون قال لما استخلف بو بکر جعلوا لہ الفین فقال زیدو لی فان لی عیالا وفلا شغلتمونی عن التجارۃ فزادوہ خمس مائۃ" (تاریخ الخلفاء) علماء حنفیہ کے نزدیک مدذکواۃ سے مدرسین وملازمین مدرسہ کو بصورت ان کے غنی" ہونے کے تنخواہ ادا نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ان کے لئے لینا جائز ہے۔ وہ کہتے ہیں زکواۃ ایک فریضہ الٰہی ہے۔ جس کی زمہ داری مالک نصاب پر ہوتی ہے۔ اور چونکہ وہ حج روزہ نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔ اسی لئے مالک نصاب کو مقررہ شروط وقیود کا لحاظ رکھتے ہوئے مال کا ایک معین حصہ اس کے مصارف میں بطور تملیک اس طرح ادا کرنا ضروری ہے۔ کہ اسکی ادائیگی میں بجز امتثال امر الٰہی شخص مودی الیہ سے کسی قسم کی کوئی غرض حصول نفع کی خاطر نہ ہو۔ (تنویر الابصار) اس لئے وہ ان لوگوں پر بھی اس کو صرف نہیں کر سکتا۔ کہ جن کے دینے میں حصول نفع کا احتمال ہو۔

"کما قال فی رد المختار فلا یدفع لاصلہ اي وان علاو لفرعہ اي وان سفل وکذا الزوجتہ وزوجہا وعبدہ ومکاتبہ لانہ لادفع الیھم لم تنقطع المنفعۃ عن الملک اي المزکی من کل وجہ"

اور اسی بنا پر اس ااجرت پر معاوضہ پر صرف کرنا بھی اس کا جائز نہیں۔ (ردالمختار ص 778 ج 2) معلوم ہوا کہ مدرسین کی تنخواہ مدزکواہ سے ادا نہیں کی جا سکتی۔ کہ وہ معاوضہ ہے ان کے عمل کا اور زکواۃ میں معاوضہ مقصود نہیں

ہوتا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ عاملین صدقات کے ساتھ اغنیاء مدرسین کو ملحق کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان کو جوکچھ ملتا ہے وہ بطریق عمالہ ہے۔ اورچونکہ یہ عمالہ بقدرکفاف یعنی ان کے اوران کے عوان کی ضرورت اور حاجت کے مطابق دیاجاتاہے۔ اس لئے اس کواجرت معاوضہ سمجھنا غلط ہے۔ کیونکہ وہ مقدار جواس کواوراس کے عوان کو کافی ہوسکے وہ مجہول اور غیر معلوم ہے۔ اوراحدال موضین کی جہالت جوازاجارہ سے مانع ہے۔ پس معلوم ہواکہ عامل صدقہ کا استحقاق بطوراجرت ومعاوضہ کے نہیں ہے۔ بلکہ بطریق کفایہ ہے۔ بنا برمدرسین وملازمین مدرسہ کو عاملین صدقات کے ساتھ ملحق کرنا غلط ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ دیگر عاملین کے عمالہ سے جوانکو بیت المال سے ملتا تھا۔ مدرسین کے مدذکواۃ سے تنخواہ دینے کے جواز پراستدلال صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ بیت المال دراصل اسلامی خزانے کانام ہے۔ جس کے مختلف شعبے ہوتے تھے۔ اورہر شعبے کے مصارف جداگانہ ہوتے تھے۔ مثلاایک شعبہ بیت انجمیں کاتھاجس میں جنس غنائم وغیرہ جمع ہوتے تھے۔ اوراس کوآیت واعلموا انما غنمتم الخ کے بموجب صرف کیا جاتا تھا۔ دوسرا شعبہ بیت الصدقات تھاجس میں عشروزکواۃ فطرہ کے اموال جمع ہوتے تھے۔ اوراس کومصارف منصوصہ ثمانیہ میں صرف کیاجاتا تھا۔ تیسرا شعبہ خراج الارض والجزیہ تھا۔ جس میں زمینوں کاخراج اورجزیہ وغیرہ کا مال جمع رہتا اس شعبہ سے قاضی مفتی اورعلماء وغیرہ کوبقدرکفاف ملتا تھا۔ چوتھا شعبہ لاوارث لوگوں کے ترکہ اورلقطات کا تھا۔ جس کو ضوائع کہتے تھے۔ اس سے عام مصالح مسلمین میں امداد ملتی تھی۔ (عالم گیری وغیرہ) پس یہ ثابت کرکے علماء وقضاہ وعمال کو بیت المال سے تنخواہ ملتی تھی۔ یہ ثابت کرنا کہ مدذکواۃ سے مدرسین تنخواہیں پاسکتے ہیں۔ صحیح نہیں الیٰ آخرہ۔ (عبیداللہ المبارکفوری الرحمانی المدرس بمدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ ثنائیہ امرتسری

جلد01ص720-725

محدث فتویٰ